



اخلاقی اقدار کا زوال

مفتی منیب الرحمن

آج کل ماشاء اللہ ہمارے میڈیا اشارز کے لیے موضوعات کی بہتات ہے، پانا مالکس، بہاماس لکس، قرض معافی مافیا، میڈیا کو سیکرٹ میٹنگ کی لینگ یا فیڈنگ، سپریم کورٹ آف پاکستان اور انکیشن کمیشن آف پاکستان میں اعلیٰ شخصیات کی نااہلی کے بارے میں متعدد ریفرنس اور 2 نومبر کو اسلام آباد کے محاصرے اور حکومت کو مفلوج کرنے جیسے امور تو چل ہی رہے تھے، اس اثنا میں جناب مصطفیٰ کمال اور گورنر ڈاکٹر عشرت العباد خان نے تو دھماکا ہی کر دیا۔ سواب ہمارے اسٹکر پرسنز اور کالم نگاروں کے وارے نیارے ہیں۔ بیچ میں چٹنی اور چٹارے کے طور پر امریکہ کے صدارتی انتخابات کو بھی بروئے کار لایا جاسکتا ہے اور انڈیا میں ہمارے اداکاروں کی بے توقیری الگ سے ایک عالمی اور آفاقی مسئلہ ہے۔ بعض پاکیزہ ذہنوں پر نازل ہونے والے عالم غیب کے الہامات، بشارتیں اور وعیدیں اس سے بڑھتی ہیں۔ الغرض ٹیلی ویژن اسکرین اور اخبارات کے صفحات پر ہر سو رونق ہی رونق ہے۔ بدھ کو موضوعات کے دباؤ کے باعث جناب ڈاکٹر فاروق عبدالستار کے لیے بھی گنجائش نہیں نکل پائی اور وہ رات انہوں نے شاید سکون سے گزاری ہوگی یا ان کے لوگ اسکرین آؤٹ ہونے پر مضطرب ہوں گے۔

ایران میں ایک اصطلاح ”اصلاح طلبان“ (Reformist) کی رائج ہے اور موجودہ ایرانی صدر جناب حسن روحانی کا تعلق اسی طبقے سے ہے، ان کے مقابل ”محافظان انقلاب“ یا ”قدا مت پرست“ کہلاتے ہیں۔ اس وقت ہمارے ہاں سیاسی محاذ آرائی انتہا پر ہے، اس لیے توازن و اعتدال، میانہ روی، اصلاح احوال اور ہوش مندی کی بات کرنا یا لکھنا غیر مقبول (Unpopular) موضوع ہے، کیونکہ اس طرح آپ پر مصلحت پسندی، مطلب براری، ضمیر فروشی یا منافقت، الغرض کوئی بھی فتویٰ لگ سکتا ہے۔ آپ اگر لشکر حسین میں نہیں تو یزیدی ہیں، اس سے قطع نظر کہ آپ فریق مخالف کے حامی ہوں یا نہ ہوں۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ”مقام حسین رضی اللہ عنہ“ کو اتنا گرا دیا جائے گا کہ ہر شخص کے پاس اپنے آپ کو ”ظن حسین“ اور اپنے مخالفین کو ”یزیدی“ قرار دینے کا لائسنس ہوگا اور وہ ہوائے نفس کے تحت یا بر بنائے اخلاص ہی سہی جو بھی معرکہ پھا کرے گا، وہ اکٹھ ہجری کے بعد معرکہ کربلا کا ہم پلہ قرار پائے گا، کسی نے کہا تھا:

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی اب آبروئے شیوہ اہل نظر گئی

جواب ندارد: ہم اور ہم جیسے چند دیگر کوتاہ فہم مسلسل لکھ رہے ہیں کہ جب بظاہر تمام سیاسی جماعتیں ہمارے ریاستی نظام کی کرپشن سے تطہیر کو اپنا مقدس مشن بنا چکے ہیں، تو یہ سب لوگ یک سوئی کے ساتھ کم از کم وقت میں اس مقصد کے لیے جامع قانون سازی کرنے کے لیے کیوں تیار نہیں ہیں؟ اگر ہمارا نظام ریاست کسی نظام آئین و قانون کے تحت چل رہا ہے تو ہر چیز قانون، قانون نافذ



کرنے والے اداروں اور نظام عدل کے تحت ہونی چاہیے اور جہاں پہلے سے قانون موجود نہیں ہے یا قانون میں خلا (Lacuna) ہے یا قانون کسی خاص فرد یا طبقے کو تحفظ دے رہا ہے یا وہ جامع نہیں ہے، تو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سب مل کر اتفاق رائے سے جامع قانون سازی کیوں نہیں کر پار ہے؟۔ لیکن اس کا جواب میدان سیاست میں متحارب فریقوں اور حکومتی اداروں سمیت کہیں سے نہیں آ رہا اور یہی قرائن نیتوں کو مثبتہ قرار دینے کے لیے کافی ہیں۔

اخلاقی زوال: ایک وقت تھا کہ اختلاف رائے کے باوجود لوگوں میں کسی نہ کسی درجے میں باہمی احترام کی روایت موجود تھی اور کچھ اخلاقی اقدار تھیں، جن کی پاس داری کی جاتی تھی۔ اگر فریق مخالف کا احترام ملحوظ نہ بھی ہوتا، تب بھی اپنے شخصی وقار و اعتبار اور اپنی وضع داری اور بھرم کو قائم رکھنے کے لیے باوقار لوگ اخلاقی اقدار کی ایک اوسط سطح سے نیچے نہیں گرتے تھے۔ قریش مکہ، جو سید المرسلین رحمۃ اللعالمین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے جانی دشمن تھے وہ بھی اس حد تک نہیں گرے کہ آپ کو العیاذ باللہ! کاذب اور خائن کہا ہو یا آپ کے کردار پر کوئی طعن کیا ہو۔ جب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

”اور (اے رسول!) آپ اپنے قرابت داروں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائیے، (الشعراء: 214)۔“ اس حکم ربانی کی تعمیل میں آپ ﷺ کو وہ صفا کی بلند چوٹی پر چڑھے اور ندادی: یَا صَبَاحَاہ! (واضح رہے کہ اُس زمانے میں عالم عرب میں یہ صدا کسی ہنگامی صورت حال میں لگائی جاتی تھی)۔ سب متوجہ ہوئے اور کہا: یہ کون ہیں؟، اُس زمانے میں جو شخص خود موقع پر نہ جاپاتا تو وہ خبر لینے کے لیے اپنا کوئی نمائندہ بھیجتا۔ چنانچہ ابولہب اور قریش کے سردار آ کر جمع ہو گئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ اس پہاڑ کے عقب سے شہسواروں کا ایک لشکر تم پر اچانک حملہ کرنے والا ہے، تو کیا تم میری خبر کی تصدیق کرو گے؟، سب نے یک زباں ہو کر جواب دیا: یقیناً کریں گے، کیونکہ ہم نے پوری زندگی آپ کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا، (سُبُلُ الْهُدَى وَالرَّشَادِ فِي سِيرَةِ خَبِيرِ الْعِبَاد، ج: 2، ص: 323)۔“ سوزمانہ کفر میں بھی رواداری کا ایک معیار قائم تھا۔

اسی طرح جب ابوسفیان شام کے تجارتی سفر پر تھے، تو ہِرَقُل (قیصر روم) نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے اپنے رؤساء اور ترجمان کو بلایا اور قریش مکہ کے تجارتی قافلے کو دربار میں طلب کر کے سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھا: تم میں سے کسی اعتبار سے اس مدعی نبوت کا سب سے قریب کون ہے؟، ابوسفیان نے کہا: میں ہوں، اُس نے کہا: آپ میرے قریب آ جاؤ، میں اس شخص کے بارے میں چند سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ ابوسفیان کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ حیا نہ ہوتی کہ مجھے جھٹلایا جائے گا، تو میں ضرور اُن کے بارے میں جھوٹ بولتا (یعنی اُسے انتہائی عداوت کے باوجود اپنے وقار و اعتبار کا اتنا پاس تھا)، اُن میں سے چند سوال یہ تھے: اُس کا نسب کیسا ہے؟، ابوسفیان نے کہا: وہ ہم سب میں عالی نسب ہیں۔ تمہارے خاندان میں پہلے بھی کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟، ابوسفیان نے کہا: نہیں۔ اُس نے پوچھا: تم میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟، ابوسفیان نے کہا: نہیں۔ اُس نے پوچھا: اُس کے پیروکار اشرافیہ کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں یا ساجی اعتبار سے کمزور لوگ ہیں؟، ابوسفیان نے کہا: نچلے طبقات کے لوگ ہیں۔ اُس نے پوچھا: اُن کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟، ابوسفیان نے کہا: بڑھتی جا رہی ہے۔ اُس نے پوچھا: اُس کا دین قبول کرنے کے بعد کسی نے اُس کے دین کو چھوڑا بھی ہے؟، ابوسفیان نے کہا: نہیں۔ اُس نے پوچھا: کیا نبوت کا دعویٰ



کرنے سے پہلے تم لوگوں نے اُس پر کبھی جھوٹ کا الزام لگایا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: نہیں۔ اُس نے پوچھا: کیا اُس نے کبھی عہد شکنی بھی کی ہے؟ ابوسفیان نے کہا: نہیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں: میں اتنی ہی گنجائش نکال پایا کہ میں نے کہا: ہمیں اپنے وطن سے آئے ہوئے کافی دن ہو گئے ہیں، اگر ہمارے بعد کوئی ایسی چیز صادر ہوگئی ہو تو اُس کا ہمیں علم نہیں۔ اُس نے پوچھا: تمہاری اُس سے جنگ بھی ہوئی ہے؟ ابوسفیان نے کہا: ہاں! اُس نے پوچھا: اس جنگ کا کیا نتیجہ نکلا؟ ابوسفیان نے کہا: جنگ میں کبھی ہمارا پلڑا بھاری ہو جاتا اور کبھی اُن کا۔ اُس نے پوچھا: اُس کی تعلیمات کیا ہیں؟ ابوسفیان نے جواب دیا: وہ کہتے ہیں: اللہ وحدہ کی عبادت کرو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اپنے آباؤ اجداد کی (ناحق باتوں) کو چھوڑ دو اور وہ ہمیں نماز، حج بولنے، پاک بازی اور صلہ رحمی کی تعلیم دیتے ہیں۔

قیصر روم نے اپنے ترجمان کے ذریعے کہا: میرے سوالات کے جواب میں تم نے بتایا: وہ عالی نسب ہیں اور اللہ تعالیٰ عالی نسب لوگوں ہی کو اپنی قوم میں رسول بنا کر بھیجتا ہے۔ تم نے بتایا: ہمارے خاندان میں ان سے پہلے نبوت کا دعویٰ کسی نے نہیں کیا، اگر ایسا ہوا ہوتا تو میں کہتا: یہ شخص ماضی کی روایت کی پیروی کر رہا ہے۔ میرے سوال کے جواب میں تم نے بتایا: اس سے پہلے تمہارے خاندان میں کوئی بادشاہ نہیں گزرا، اگر تمہارا جواب اثبات میں ہوتا تو میں سوچتا: یہ شخص اپنی گم گشتہ بادشاہت کا طلب گار ہے۔ میرے سوال کے جواب میں تم نے بتایا: دعویٰ نبوت سے پہلے اس شخص پر جھوٹ کی کوئی تہمت بھی نہیں لگی (واضح رہے کہ تہمت اُس الزام کو کہتے ہیں جو ثابت نہ ہوا ہو)، اگر تمہارا جواب اثبات میں ہوتا تو میں سوچتا: جو شخص لوگوں پر جھوٹ بول سکتا ہے وہ اللہ پر بھی بول سکتا ہے۔ تم نے یہ بھی بتایا کہ اُس کے پیروکار اشرافیہ طبقے کے لوگ نہیں ہیں بلکہ زیریں طبقات کے لوگ ہیں اور ابتدا میں رسولوں کے پیروکار ہمیشہ پسے ہوئے طبقات کے لوگ رہے ہیں۔ تم نے یہ بھی بتایا کہ اُس کے پیروکار بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور دعوت نبوت کا سفر اسی طرح آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ تم نے یہ بھی بتایا کہ جو اُس کا ہو جائے، پھر وہ اُس کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑتا، ایمان کی حقیقت بھی یہی ہے کہ جب دل میں گھر کر جائے تو وہ مٹائے نہیں مٹتا۔ تم نے اُن کی تعلیمات بھی بتائیں، اگر تمہارا بیان سچ ہے تو ایک وقت آئے گا کہ وہ میرے قدموں کی جگہ کے بھی مالک ہو جائیں گے، (صحیح البخاری: 7، تلیخیص کے ساتھ)۔ ابوسفیان کے کا سردار اور غزوہ اُحد میں کفار مکہ کے لشکر کا سپہ سالار تھا، لیکن دشمنی کے باوجود اُس نے قیصر روم کے سوالات کے جوابات میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں غلط بیانی نہیں کی، کیونکہ اُسے اپنے منصب کا پاس تھا۔

اس موضوع کی طرف میرا ذہن اس لیے متوجہ ہوا کہ جناب مصطفیٰ کمال اور گورنر عشرت العباد کے تنازعے پر ایک معروف دانش ور نے کہا: شرافت، وضع داری اور اقدار کے اعتبار سے ہمارا معاشرہ زوال پذیر ہے، حالانکہ انہوں نے کہا: میں اپنے مخالف سے ٹکرا جانے والا آدمی ہوں، گالیوں کے بارے میں خود کفیل ہوں اور گالیوں کی نئی لغت بھی ایجاد کر سکتا ہوں، لیکن کبھی کسی سے تعلق رہا ہو تو حیا آتی ہے۔ پس ہم مجموعی حیثیت سے حیا باختہ قوم بنتے جا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

نوٹ: روزنامہ دنیا میں چھپنے والے میرے کالموں کی پہلی جلد کا دوسرا ایڈیشن، دوسری اور تیسری جلد کا پہلا ایڈیشن چھپ چکا ہے اور ”ضیاء القرآن پبلی کیشنز، اردو بازار لاہور اور کراچی“ سے دستیاب ہے۔